78

جماعتِ احمدیہ اپنے جوش کو حقیقی ثابت کرے

(فرمودہ ۹ر اپریل ۱۹۲۰ئہ بمقام سیالکوٹ)

حضور انور نے تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ یوسف کی چند ابتدائی آیات تلاوت کرکے فرمایا:۔

دُنیا میں دو قسم کے زمانے انسان پر آتے ہیں۔ اور دو ہی قسم کی حالتوں سے انسان گزرتا ہے۔ ایک تو وہ زمانہ اور وہ حالت ہوتی ہے کہ جس میں زمانہ مجبور کرکے اس سے بعض اعمال کراتا ہے، یعنی زمانہ اسے بعض اعمال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اگر وہ فعل اچھا ہو۔ تو اسکے کرنے والا قابلِ تحسین سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر بُرا ہو۔ تو اس کے کرنے والا اتنی بُرائی کا مجرم نہیں ہوتا جتنی حقیقت میں وہ ہوتی ہے۔ کیونکہ گو وہ فعل بُرا ہوتا ہے مگر یہی سمجھا جاتا ہے کہ مجبوری سے یا عادت کی وجہ سے کیا گیا ہے اس لیے اس حد تک ایسے فعل کی بُرائی نہیں پہنچتی جہاں تک کہ جان بوجھ کر کوئی بُرا فعل کرنے کی پہنچتی ہے۔ تو انسان پر ایک حالت اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے۔ جبکہ وہ مجبوریوں کے ماتحت کوئی فعل کرتا ہے لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے۔ جبکہ اس کی مجبوریاں جاتی رہتی ہیں۔ اس وقت اگر وہ اپنے ذوق شوق محبت و اخلاص سے نیکی کرتا ہے۔ تو وہ اس کی اصلی نیکی سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت اگر تقویٰ اللہ اختیار کرتا ہے۔ تو وہ تقویٰ ہوتا ہے۔ اس وقت اگر عبادت کرتا ہے۔ تو وہ اصل عبادت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے اختیار اور خلوص سے یہ اچھے کام کرتا ہے، لیکن جو زمانہ سے مجبور ہو کر اچھے کام کئے جاتے ہیں۔ وہ گو اچھے ہوتے ہیں، مگر وہ انسان کے رُوحانی درجہ کی ترقی میں مدد اور معاون نہیں ہوتے اور اس وقت تک نہیں ہوتے۔ جب تک انسان اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ اسے کوئی مجبوری ہو یا نہ ہو۔ اپنے ذوق و شوق سے نیکی کرے۔ مثلاً ایک شخص اپنے رشتہ داروں کی مجلس میں بیٹھا ہے۔ اس کا دل بخل اور کنجوسی سے بھرا ہے۔ اس کے ذرہ ذرہ میں مال و دولت کی محبت سمائی ہے۔ کسی کو ایک پیسہ دیتے ہوئے

جان نکلتی ہے۔ مگر برادری بیٹھی ہوئی ہے۔ جو اسے کہتی ہے۔ چندہ دو۔ کوئی ادھر سے طعن دیتا ہے کوئی ادھر سے۔ ایسی حالت میں وہ ان کے طعنوں سے متاثر ہو کر خدا تعالیٰ کی راہ میں بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے کچھ روپیہ دیدیتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ کسی نیکی کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اس نے اگر کچھ دیا ہے تو لوگوں کے طعنوں سے مجبور ہو کر اور زمانہ کے حالات سے تنگ آ کر۔ نہ کہ اپنی مرضی اور خواہش سے خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے۔ اسی طرح اگر کوئی صدقہ دیتا ہے تو وہ بھی اصلی صدقہ نہیں۔ یا ایک ایسا شخص ہے جو ایسے گھرانے میں پیدا ہوا جس کے مرد و عورت۔ جوان اور بوڑھے نمازی ہیں۔ اور وہ دن رات انھیں نماز پڑھتے دیکھتا ہے۔ اور ان کے مونہوں سے سنتا ہے کہ نماز نہ پڑھنے والا انسان سخت گنہگار ہوتا ہے۔ دن رات اس کے کانوں میں یہ آواز آتی ہے کہ جو نماز نہیں پڑھتا وہ سخت نفرت کے قابل ہے۔ ان حالات میں اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو خدا تعالےٰ اسے کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ کیونکہ وہ اس لیے نہیں پڑھتا کہ نماز کی محبت اس کے دل میں ہے اور خدا تعالیٰ کے خوف اور ڈر سے پڑھتا ہے۔ بلکہ اس لیے پڑھتا ہے کہ اس کے ماں باپ بہن بھائی عزیز رشتہ دار نماز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نماز نہ پڑھوں گا۔ تو ان کی نظر سے گر جاؤں گا۔ پس وہ جو اس طرح عبادت گزارتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ تہجد بھی پڑھے اس کی حالت اس شخص سے گری ہوئی ہوگی۔ جو صرف دن رات میں ایک ہی نماز اخلاص سے پڑھے۔ یہ گنہگار ہوگا، لیکن اس کی ایک نماز اخلاص کی نماز ہوگی۔ اور اس کی پانچوں نمازیں مجبوری سے ہوں گی اس لیے اس کی ایک نماز بھی نہ ہوگی۔ تو عمل وہی قابلِ قبول ہوتا ہے۔ جو خود بخود کیا جاتے اور جو کام مجبوری سے کیا جاتے۔ وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوتا۔

یہ تو مجبوری کی ایسی مثالیں ہیں جنہیں ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے مگر بعض ایسی مخفی مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔ جن کو واقف اور عارف لوگ ہی جانتے ہیں۔ دوسرے نہیں جانتے۔ دوسرے سمجھانے سے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عام لوگ انہیں مجبوریاں نہیں سمجھتے۔ مگر جب غور سے دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مجبوریاں ہیں۔

اس وقت میں جس امر کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہر نیا کام لوگوں میں جو جوش و خروش پیدا کر دیتا ہے۔ وہ مجبوری کے ماتحت ہوتا ہے۔ کوئی نیا فرقہ ہو اس کے پیرو دوسروں سے زیادہ عبادت کرنے والے ہونگے وجہ کیا۔ وہی مجبوری۔ وہ لوگ چونکہ اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور متعلقین کو چھوڑ کر اس فرقہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں یہ مجبوری ہوتی ہے۔

کہ وہ پوچھیں گے تمہیں ہم کو چھوڑ کر کیا ملا۔ اور تم میں کونسی نئی بات پیدا ہوگئی۔ اس وجہ سے ان میں نیا جوش اور نئی روح پیدا ہوتی ہے کہ کچھ کر کے دکھائیں۔ بظاہر انہیں کوئی مجبور نہیں کرتا۔ مگر اصل میں ان کے لیے ایک مجبوری موجود ہوتی ہے۔ اور وہ وہی طعنہ کا ڈر کہ لوگ کہیں گے۔ ہمیں چھوڑ کر تم نے کیا کیا۔ پس کسی نئے فرقے کے لوگ اگر چندہ زیادہ دیتے ہیں۔ اگر اپنے اخلاق اچھے بناتے ہیں۔ اگر سختی کے مقابلہ میں نرمی دکھلاتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کا مجبوری کے ماتحت ہوتا ہے۔

مثلاً ہمارے ملک میں آریہ ہیں۔ ان کے جوش میں پرانے زمانہ کے ہندوؤں کے جوش سے کتنا فرق ہے۔ سناتینوں اور آریوں کی قربانی کو اگر دیکھا جائے۔ تو باوجود اس کے کہ سناتنی بہت زیادہ اور آریہ بہت تھوڑے ہیں۔ چند لاکھ سے زیادہ نہیں، لیکن ان میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ آریوں کے دو کالج پنجاب میں ہیں اور بیسیوں سکول جاری ہیں۔ وہ لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ ان کے اخباروں کی جتنی اشاعت ہے اور اخباروں کی اتنی نہیں ہے۔ ان میں اس قدر جوش کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی قاعدہ کے ماتحت کہ جب کوئی نئی جماعت قائم ہوتی ہے۔ تو وہ کہتی ہے۔ اگر کچھ نہ کیا۔ تو لوگ کہیں گے۔ اس نے علیحدہ ہو کر کیا کیا۔ تو یہ عمل یہ جوش یہ ولولہ حقیقی نہیں۔ بناوٹی اور مجبوری کے ماتحت ہوتا ہے۔ جو عام طور پر نئی جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔

پھر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جوش و خروش سے کام لینے والا بھی نہیں جانتا کہ اس کا جوش مجبوری کے ماتحت ہے مگر واقعہ یہی ہوتا ہے کہ اس کا جوش بناوٹی اور مجبوری کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس کا کیا ثبوت ہے یہی کہ جب وہ مجبوری جاتی رہتی ہے۔ تو اس کا جوش بھی کافور ہو جاتا ہے۔ جب تک اس کی جماعت تھوڑی اور کمزور ہوتی ہے۔ جب تک مخالفین کا اس کو خوف اور ڈر ہوتا ہے۔ اس وقت تک وہ اپنے اخلاق اپنے عادات اپنے اعمال بہت اعلیٰ درجہ کے دکھاتا ہے اس میں نیکی اور تقویٰ پایا جاتا ہے، لیکن جب وہ اپنی جماعت اور فرقہ کو کچھ سمجھنے لگ جاتا ہے تو یہ سب باتیں چھوڑتا جاتا ہے۔ یہ ثبوت ہوتا ہے۔ اس بات کا کہ وہ لوگ جو جوش و خروش دکھا رہے ہوتے ہیں۔ اور اچھے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ چاہے دل سے یہی خیال کرتے ہوں کہ ہم نیک نیتی سے خدا تعالےٰ کے لیے اس کی محبت کی خاطر کرتے ہیں، لیکن اصل میں وہ خدا تعالےٰ کی محبت کی وجہ سے نہیں کرتے۔ کیونکہ جب دشمن ان کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ اور خطرہ دُور ہو جاتا ہے۔ تو ان کا آپس کا اتحاد۔ اخلاص۔ نیکی اور جوش کم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ خدا کے لیے کرتے ہوتے تو خدا تو اس وقت بھی موجود ہوتا ہے۔ اس وقت وہ کیوں ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ معلوم ہوا

کہ وہ خدا کے لیے نہیں کرتے۔ بلکہ لوگوں کے ڈر سے کرتے ہیں جب لوگ مخالف نہ رہے۔ تو وہ بھی اپنی پہلی حالت پر قائم نہ رہے۔

پس اس بات کا پتہ لگانے کے لیے کہ کسی جماعت کا جوش خدا تعالیٰ کے لیے ہے یا مجبوری سے ہے۔ یہی دیکھا جاتا ہے۔ کہ جب وہ دشمن کے حملوں سے بچ جاتے۔ تو اس وقت اس کی حالت کیا ہوتی ہے اگر اس وقت بھی وہ اخلاص و نیکی۔ تقویٰ و طہارت۔ جوش و خروش۔ اتحاد و اتفاق محبت و اُلفت میں ترقی کرے۔ تو جان لو کہ وہ جو کچھ کرتی رہی ہے۔ خدا کے لیے کرتی رہی ہے، لیکن اگر اس وقت جبکہ دشمن ہٹ جاتے۔ مخالفت کرنے والے خاموش ہو جائیں۔ اس کے ایمان میں کمزوری۔ نیکی اور خلوص میں کمی واقع ہو جائے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ڈر کے مارے مجبوری سے کرتی رہی ہے۔ اگر خدا کے لیے کرتی۔ تو خدا اب بھی موجود ہے۔ اب بھی اسی طرح ترقی کرتی جس طرح وہ پہلے کرتی تھی۔ پس امن کی حالت میں ہو کر اس کا اپنی حالت کو بدل لینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ پہلے وہ جماعت جو کچھ کرتی تھی۔ مجبوری کی وجہ سے کرتی تھی جب وہ مجبوری دُور ہو گئی۔ تو اس نے اس طرح کرنا بھی چھوڑ دیا۔

بعض نادان فلسفیوں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ کسی جماعت کے سچے ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس میں بڑا جوش ہو۔ اور اسے اپنے مقصد کے پورا کرنے کی دُھن لگی ہوئی ہو۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ ہر نئی جماعت میں جوش ہوتا ہے۔ دراصل ان کو دھوکہ اسی وجہ سے لگا ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا۔ جوش کا باعث کیا ہے اگر مجبوری کی حالت میں کسی جماعت نے جوش دکھایا تو اس کو سچا نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر مجبوری کے دُور ہو جانے پر بھی اس میں جوش پایا گیا۔ تب وہ سچی ہو سکتی ہے۔

یہی فرق ہے جو انبیاء۔ اور دوسروں کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔ رسول پر جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر (کیونکہ بعض منافق بھی ہوتے ہیں) ایمان اور نیکی میں بڑھتے ہی جاتے ہیں اور حقیقی ایمان بڑھتا ہی ہے۔ کم نہیں ہوتا۔ تمام نبیوں کے سچے پیروؤں کی یہی حالت ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں ہماری جماعت ایک ایسی جماعت ہے جو نبی کی قائم کی ہوئی ہے۔ اس کی سچائی اور حق پر قائم ہونے کی یہ دلیل سمجھی جاتی ہے۔ کہ اس میں جوش بڑھا ہوا ہے۔ مگر اس پر بھی وہی اعتراض پڑتا ہے کہ یہ کس طرح معلوم ہو کہ اس کا جوش اصلی اور حقیقی جوش ہے۔ کیوں نہ کہیں کہ چونکہ ہر طرف سے اس پر حملے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس جماعت کے لوگوں کا آپس میں اتحاد پایا جاتا ہے۔ انہیں اپنی جانوں کا خطرہ لگا ہے۔ اس لیے وہ مجبور ہیں کہ متحد ہو کر رہیں۔ اسی طرح ان کے اعلیٰ اخلاق

دکھانے اور نیکی کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو مٹ جائیں گے۔ اس کا جواب عام طور پر کوئی نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ ہر ایک نئی جماعت جو کھڑی ہوتی ہے۔ وہ نیکی اور جوش میں ترقی کرتی نظر آتی ہے۔ عیسائیوں۔ یہودیوں۔ سکھوں وغیرہ سب کا یہی حال ہوا۔ کیونکہ انہیں ڈر تھا اگر ہم نے آپس میں اتحاد نہ کیا تو تباہ ہو جائیں گے۔ اگر ہم نے اچھے کام نہ کئے تو لوگ طعنے دینگے کہ ہم سے کیوں علیحدہ ہوئے تھے تو لوگوں کے طعنوں سے بچنے اور اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لیے ہر نئی جماعت کا یہی حال ہوتا ہے۔ تو پھر ہمیں کیا امتیاز حاصل ہے۔

وہ امتیاز ایک ہی ہے کہ ہم خطرہ سے محفوظ ہو کر بھی ویسے ہی نظر آئیں۔ جیسے خطرہ کیوقت تھے۔ اگر خطرہ اور خوف کے وقت ہم میں اتحاد اور اتفاق پایا جاتا ہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ خوف و خطر کے وقت تو حیوان بھی لڑنا چھوڑ دیتے ہیں اور سب اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ پھر جن کو معلوم ہو کہ ساری دُنیا ہماری مخالف ہے اور ہمارے گھروں میں ماں باپ بہن بھائی مخالف ہیں۔ ان کا اکٹھا ہوجانا کونسی بڑی بات ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے مجبوری سے اکٹھے ہوتے ہیں یا اگر وہ صدقہ دیتے اور مال زیادہ خرچ کرتے ہیں تو یہ بھی مجبوری ہے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں۔ اگر ہم نے مال نہ خرچ کیا تو ہماری جماعت نہ بڑھے گی اور ہم کمزور رہیں گے۔ پس ہم میں اور دوسروں میں کیا فرق ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ہمارا تقویٰ اور نیکی اخلاق اور اتحاد۔ جوش اور خروش خوف اور امن میں ایک ہی جیسا رہتا ہے۔ اور ہم جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ڈر سے نہیں کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں۔ اگر یہ ثابت کر دیا جائے تب دشمن ہم پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔

اس وقت میں اپنی جماعت کے اس علاقہ میں کھڑا ہوں۔ جہاں خدا کے فضل سے اور علاقوں کی نسبت احمدیت کی زیادہ ترقی ہوئی ہے۔ اس علاقہ میں ایسی بستیاں موجود ہیں۔ جہاں احمدیوں کی تعداد دوسروں کی نسبت زیادہ ہے۔ اور غیر احمدی قریباً مفقود ہیں۔ اس لیے یہی علاقہ ہے جو سب سے پہلے اس بات کا ثبوت پیش کرسکتا ہے کہ ہماری نیکی۔ ہمارا تقویٰ۔ ہمارا اتحاد۔ ہمارا اتفاق۔ ہماری قربانی۔ ہماری کوششیں لوگوں سے ڈر کر مجبوری کی وجہ سے ہیں یا خدا تعالیٰ کے لیے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ اس جگہ وہ جماعتیں موجود ہیں۔ جن کے گاؤں میں غیر احمدی یا تو بالکل نہیں یا ایسی کمزور حالت میں ہیں کہ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس لیے وہ لوگ امن میں ہیں گو پورے امن میں نہیں۔ کیونکہ اگر ان کے گاؤں میں ان کے مخالف نہیں رہے یا کمزور ہوگئے ہیں تو ارد گرد کے گاؤں میں تو ہیں۔ تاہم اوروں کی نسبت وہ زیادہ امن میں ہیں ان کے لیے یہ وقت ہے کہ وہ سچی نیکی اور سچا اخلاص دکھا سکتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جہاں ایسا موقع

آیا۔ وہاں کے لوگوں نے کیا نمونہ دکھایا۔ ہر شخص غور کرے اور دیکھے کہ اس وقت بھی وہ دین کے متعلق ویسا ہی جوش اور اخلاص دکھا رہا ہے جیسا کہ اس وقت دکھلاتا تھا جب دشمن اس کے سامنے کھڑا تھا اور ہر وقت اسے خوف لگا رہتا تھا۔ پھر اس وقت بھی اسے اپنے احمدی بھائیوں سے ایسی ہی محبت ہے۔ جیسی کہ پہلے خوف اور ڈر کے وقت تھی۔ جس کو یہ معلوم ہو کہ اس میں وہ محبت نہیں ہے جو اس وقت تھی جب دشمن زیادہ تھے وہ سمجھ لے کہ اس کا ایمان بناوٹی ہے۔ اور وہ دھوکہ میں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی محسوس نہیں کرتا کہ وہ دین کے لیے ایسا ہی جوش رکھتا ہے۔ جیسا کہ پہلے رکھتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ اس کا دعویٰ ایمان سچا نہیں ہے۔ یہی حال اور سب باتوں کا ہے۔

دراصل بہت سے کام انسان دشمن کے خوف سے کرتا ہے اور ترقی کے لیے بہت بڑا ذریعہ رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ لوگ عام طور پر سوال کرتے ہیں کہ خدا نے شیطان کیوں پیدا کیا اور کہتے ہیں ایک خیالی چیز کا نام شیطان رکھ دیا گیا ہے یا یہ کہ انسان کا نفس ہی شیطان ہے۔ کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے، لیکن میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ شیطان ایک ایسی چیز پیدا کی گئی ہے جو انسان کے نفس کے علاوہ ہے گو وہ مجسم نہیں۔ وہ انسان کو اس وقت بدی کی طرف کھینچتا ہے۔ جبکہ وہ نیکی کی طرف جھکتا ہے۔ پس میں کہتا ہوں خُدا نے شیطان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انسانوں کو انسان فتح اور زیر کر لیتا ہے۔ اور جب وہ فتح پا لیتا ہے تو اپنے مقابلہ سے رکاوٹوں کو دُور کر کے سُست ہو جاتا ہے۔ مگر شیطان ایسی چیز ہے کہ اس کو آسانی سے زیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو خدا سامنے لا کھڑا کرتا ہے تاکہ انسان سُست نہ ہو اور آگے ہی آگے بڑھتا رہے۔ انسان سُست اسی وقت ہوتا ہے جب سمجھتا ہے کہ اب مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن شیطان کی وجہ سے وہ ہر وقت اپنے آپ کو خطرہ میں پاتا ہے اور ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہتا ہے پس شیطان کا وجود انسان کو چوکس اور ہوشیار کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک گاؤں کی سب آبادی کو احمدی بنا لے تو وہ یہ سمجھ کر سُست نہیں ہو جائیگا کہ اب میں امن میں آگیا ہوں۔ کوئی میرا مخالف اور دشمن نہیں رہا۔ بلکہ وہ کہے گا۔ ابھی شیطان میرے پیچھے کُتّے کی طرح لگا ہوا ہے۔ اس سے مجھے غافل نہیں ہونا چاہیئے تا وہ مجھے اپنی طرف ہی کھینچ کر نہ لے جائے اس طرح وہ ہر وقت چوکس رہیگا۔ تو خدا تعالیٰ نے انسان کی رُوحانیت کو قائم رکھنے بلکہ اس کو بڑھانے کے لیے شیطان کو پیدا کیا ہے لوگ کہتے ہیں خدا نے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں۔ رُوحانی ترقی کی طرف چلانے اور رُوحانیت کو محفوظ رکھنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ مت

سمجھو کہ گاؤں کے سارے کے سارے لوگ احمدی ہوگئے ہیں۔ اس لیے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ بلکہ شیطان ہر وقت تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے اس سے چوکس رہو۔

ہماری جماعت کو خاص طور پر یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیئے اور ہر ایک احمدی سوچتا رہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ مجبوری سے تو نہیں کرتا۔ اگر مجبوری سے کرتا ہے تو اس کا اخلاص اس کی نیکی اس کا تقویٰ سب بناوٹی ہے اور جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ تقویٰ اور نیکی جوش اور قربانی خدا کے لیے ہے اس وقت تک وہ کسی انعام کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اپنے نفس سے مطمئن ہو سکتا ہے۔ پس میں اپنی ساری جماعت کو عموماً اور علاقہ سیالکوٹ کی جماعت کو خصوصاً جسے اپنی زیادتی کی وجہ سے اپنے اخلاص اور جوش کو اصلی ثابت کرنے کا موقع مل گیا ہے تاکید کرتا ہوں کہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھے۔

مجھے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جہاں جماعت کی زیادتی ہے بعض نقص پیدا ہو گئے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر آپس میں جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اتفاق اور اتحاد حقیقی ایمان کے نتیجہ میں نہ تھا۔ جب تک دشمن ان کے سامنے تھا اکٹھے تھے۔ جب وہ ہٹ گیا تو پھر جس طرح غیر احمدی ہونے کی حالت میں لڑتے تھے۔ اسی طرح لڑنے لگ گئے۔ مَیں پوچھتا ہوں کیا فائدہ ہے اس ایمان کا جس نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اور جس نے کچھ دیا نہیں اگر وہی حالت رہی جو احمدی کہلانے سے پہلے تھی تو ایمان لانا نہ لانا مساوی ہے۔ اگر وہ ایمان ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ دل سے وحشت نہ گئی۔ درندگی دُور نہ ہوئی۔ تو اس کی قیمت ایک پیسہ بھی نہیں ایسا ایمان منافقت ہے۔ اور اس سے وہ بے ایمانی اچھی ہے جس میں محبت اور پیار اُلفت اور نرمی پیدا ہو۔ پس جب تک تم تغیر کر کے نہ دکھاؤ اور خواہ سارا ملک احمدی ہو جائے۔ تمہارا قدم نیکی سے پیچھے نہ ہٹے بلکہ آگے ہی آگے بڑھتا جائے اس وقت تک تمہارا ایمان حقیقی نہیں ہو سکتا اگر تم اسوقت اخلاص دکھاتے ہو جبکہ تمہارے دشمن زیادہ ہوں تو اسوقت جبکہ دشمن کم ہو جائیں اور زیادہ اخلاص دکھانا چاہیئے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صحابہ گئے اور جا کر کہا۔ آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں کہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سُوج جاتے ہیں۔ آپ کو خُدا نے اتنا بڑا درجہ دیا ہے۔ کیا آپ کو بھی اس قدر عبادت کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ میں خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں[۵]۔ دیکھو تم تو اس لیے عبادت کرتے ہو کہ عذاب سے بچائے جاؤ۔ اور مجھے چونکہ خدا نے بچا لیا ہے اس لیے میں اس کے شکریہ میں تم سے بڑھ کر عبادت کرتا ہوں۔ تو حقیقی ایمان اور سچے

---

[۵] بخاری کتاب التہجد باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی ترم قدماہ

اخلاص کا پتہ اسی وقت لگتا ہے جبکہ انسان امن و امان میں ہوتا ہے پہلے جب دشمن سامنے کھڑا ہو اس وقت اگر کوئی ایمان اور اخلاص دکھاتا ہے تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ اپنی غرض سے کرتا ہے کہ دشمنوں کے شر سے بچایا جاوے، لیکن جب بچا لیا جاوے اور اس وقت بھی اخلاص دکھاتے تب حقیقی مخلص ہو سکتا ہے ورنہ اس سے زیادہ بے حیائی اور کیا ہوگی کہ جب تک فائدہ کی اُمید ہو اس وقت تک تعلق رکھا جائے اور جب فائدہ اُٹھا لیا جائے تو پھر تعلق چھوڑ دے پس اگر تم لوگ دشمنوں کی طرف سے امن میں آگئے ہو تو خدا کا شکر کرو کہ دوسرے بھائیوں سے پہلے تمہیں امن حاصل ہوگیا ہے وہ اَب بھی دُکھ دیئے جا رہے ہیں۔ خرید و فروخت سے روکے جا رہے ہیں۔ اور طرح طرح سے ستائے جا رہے ہیں۔ مگر تم کو خدا نے ان سے پہلے امن دیدیا ہے۔ کیا اس کی یہی قدر ہے؟ کہ خدا کے حکموں کو تم پیچھے ڈال دو۔ نہیں بلکہ یہ کہ تم اپنے اعمال سے ثابت کر دو کہ تمہارا خدا تعالٰے سے حقیقی تعلق ہے اور تم عسر یُسر میں ایک ہی جیسے رہتے ہو۔ پس تم خُدا کے اس فضل کی قدر کرو اور آپس میں لڑائی جھگڑے کرنے کی بجائے پہلے سے بھی زیادہ اتفاق و اتحاد سے رہو۔ اپنے حوصلے وسیع کرو۔ کیونکہ مومن کا حوصلہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہماری لڑائی تو دین کے لیے ہے۔ مگر دین کے لیے تو لڑائی ہوتی ہی نہیں۔ اگر کوئی خود بخود ہمیں چھوڑ کر چلا جائے اور بُرا بھلا کہے تو وہ لڑتا ہے ہم نہیں لڑتے کیونکہ اسلام کسی سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ کہنا کہ فلاں آدمی کو ہم نے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ اس نے یہ بداخلاقی دکھلائی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اخلاق دکھاتا تو پھر اس کو ساتھ رکھنے میں بات ہی کونسی تھی اور اس پر احسان کرنے کا موقع ہی کیا تھا۔ احسان کرنے کا موقع تو یہی ہوتا ہے کہ انسان خلاف منشاء خود کوئی بات دیکھے اور پھر بھی سلوک کرے اگر کوئی کسی کے پاس آئے اور وہ اسے قالین بچھا دے تو کیا وہ ایسا کریگا کہ قالین پر بیٹھ کر میزبان کو پتھر مار دے۔ ہرگز نہیں، کیونکہ اخلاق کے مقابلہ میں اخلاق دکھانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اصل میں بداخلاقی کے مقابلہ میں اخلاق دکھانا سختی کے مقابلہ میں نرمی کرنا اور جاتے ہوتے کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھلانا یہ اخلاق ہے۔

بعض نادان کہا کرتے ہیں مرزا صاحب نے آکر کیا کیا ان کی جماعت میں بھی ایسے آدمی ہیں۔ جو لڑتے جھگڑتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں مرزا صاحب ریکروٹنگ آفیسر نہ تھے۔ کہ جن لوگوں کا قد کان ناک وغیرہ اعضاء۔ اور صحت اچھی تھی ان کو چُن چُن کر اپنی جماعت میں بھرتی کرتے تھے بلکہ وہ ایک رُوحانی طبیب تھے۔ جو بیماروں کو پکڑ پکڑ کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ پس اگر ان کے ہسپتال میں بیمار ہیں۔ تو یہ کوئی

اعتراض کی بات نہیں ہے ہاں یہ دیکھو کہ انہوں نے کسی کو اچھا بھی کیا ہے یا نہیں۔ اگر کیا ہے تو پھر یہی ان کا کام ہے دراصل نبی کا کام ڈاکٹر کے کام کی مانند ہوتا ہے اگر اس کے پاس زیادہ بیمار جمع ہوں تو یہ اس کی بڑائی کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ اس کے نقص کا۔ پس اس کی قابلیت کو پرکھنے کے لیے یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اس کے پاس بیمار زیادہ ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کے علاج سے کوئی اچھا بھی ہوا ہے یا نہیں، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی وجہ سے ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ جو اچھی ہے تو اس کی قابلیت اور صداقت ثابت ہو گئی۔

چونکہ اعلیٰ اخلاق دکھانا اور ان لوگوں کے مقابلہ میں دکھانا جو بداخلاقی میں حد سے بڑھے ہوتے ہیں۔ نبی کا کام ہوتا ہے اس لیے اس کے نقش قدم پر چلنے والوں کا بھی فرض ہوتا ہے کہ اگر کسی میں غلطی دیکھیں۔ تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں نہ کہ اس سے قطع تعلق کر لیں۔ اگر وہ لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح نہیں کرتے، تو پھر انھوں نے بڑا کس کام کا اُٹھایا ہے۔ کیا اس بات کا کہ لوگ خود بخود نیک ہو کر اور اعلیٰ اخلاق سیکھ کر ان کے پاس آجائیں۔ اور انھیں اپنے ساتھ ملالیں۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے کہتے ہیں کوئی پوربیا تھا۔ ان میں رسم ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو بین کرتے ہیں۔ جب وہ مر گیا۔ تو اس کی بیوی نے بین کرنے شروع کئے کہ ہائے فلاں سے اس نے اتنا روپیہ لینا تھا۔ اب کون لے گا۔ ایک پوربیا بولا "ہم رہی ہم" پھر اس نے کہا کہ فلاں جائیداد کا کون انتظام کرے گا۔ اس نے کہا۔ "ہم رہی ہم" لیکن جب اس نے یہ کہا کہ فلاں کا اتنا روپیہ دینا تھا وہ کون دیگا تو اس نے کہا "میں ہی بولوں یا کوئی اور بھی بولے گا" تو لینے کے وقت تو سب تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر مفت کے ہمدرد اور خیر خواہ مل جائیں تو ان سے کون انکار کر سکتا ہے، لیکن ایسے لوگ انبیاء کے قائم مقام کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ انبیاء کی قائم مقامی کے مستحق وہی ہوتے ہیں جو دوسروں کے نقصوں کا علاج کرتے۔ ان کے اخلاق درست کرتے۔ ان میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ پس یہ خیال کرنا کہ اگر کسی سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جو اچھی نہ ہو۔ تو اس سے تعلق قطع کر لینا تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔

تمہارا یہ کام نہیں کہ جس میں کوئی نقص دیکھو۔ اس کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤ۔ بلکہ یہ ہے کہ اس کا علاج کرو اور اس کے نقائص کو دُور کرو۔ ایک دوسرے کی بیماریوں اور نقصوں کو دیکھنے کے لیے ہمارے مخالفین کی نظر کافی ہے وہ ایک دوسرے کے آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر فتویٰ لگا رہے ہیں۔ تم بھی اگر اسی طرح کرنے لگ جاؤ۔ تو تم میں اور ان میں فرق ہی کیا رہ جائیگا۔ وہ بھی ایک دوسرے کے عیب نکالتے اور بُرائیاں بیان کرتے ہیں۔ تم میں سے بھی اگر ایک بھائی دوسرے بھائی کا عیب نکالتا ہے۔ تو وہ بھی دوسروں جیسا ہی

ہے۔ ہاں اگر اپنے بھائی کے علاج میں لگ جاتا ہے اور اس کے نقائص دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ فرق ہے کیونکہ دوسرا صرف بیماری دیکھتا ہے۔ اور اسکا علاج نہیں کرتا مگر تم اپنے بھائی کی بیماری دیکھکر اس کا علاج بھی کرتے ہو۔ مگر میں دیکھتا ہوں بہت سے لوگوں میں عیب لگانے کی تو عادت ہے، لیکن عیب دُور کرنے کی نہیں۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں نکلتا کہ آپس کے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے کوئی محبت نہیں رہتی۔

انسانی فطرت کو اُکسانے اور اپنی طرف مائل کرنے والی چیز محبت اور پیار ہے جب کوئی انسان اپنے اندر محبت کا چشمہ بہاتا ہے تو اس کے آس پاس جو لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی فطرتیں خواہ سینکڑوں من مٹی کے اندر دبی ہوں۔ اُبھر آتی ہے۔ مَیں نے ایک رؤیا دیکھا۔ جو کئی دفعہ سُنایا ہے۔ مَیں نے دیکھا ایک سیٹیھو ہے جس کے اوپر ایک بچہ ہے۔ جو آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوتے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بُلا رہا ہے۔ اتنے میں آسمان سے کوئی چیز اُتری ہے جو نہایت ہی حسین عورت ہے۔ اور اس کے کپڑوں کے رنگ ایسے عجیب و غریب ہیں جو مَیں نے کبھی نہیں دیکھے۔ اس نے چبوترے پر سے اُتر کر اپنے پر پھیلا دیئے۔ اور نہایت محبّت سے بچہ کی طرف جُھکی۔ وہ بچہ بھی اس کی طرف اس طرح لپکا جس طرح ماں سے محبت کرانے کیلئے لپکا کرتا ہے۔ اور اس نے بچہ کو ماں کی طرح ہی پیار کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

Love creates Love

کہ محبت محبت پیدا کرتی ہے۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ عیسٰیؑ ہے اور وہ عورت مریمؑ۔

تو محبت مُردہ کو زندہ۔ دشمن کو دوست۔ مخالف کو موافق بنا دیتی ہے۔ ذرا غور تو کرو وہ کیا چیز ہوتی ہے جس سے نبیوں کے مخالف ان کے پاس کھینچ کر چلے آتے ہیں وہی جس کے متعلق خدا تعالیٰ رسولِ کریمؐ کو فرماتا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (الشعراء: ۴) کیا تو اپنی جان کو ان لوگوں کے لیے ہلاک کر لیگا۔ تو انبیاء لوگوں کے گناہوں اور کمزوریوں کو دیکھ کر ان سے نفرت نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ تندرست اور مضبوط کو دیکھ کر اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بیمار اور کمزور پر رحم کیا جاتا ہے۔ پس اگر تم اپنے کمزور اور عیب دار بھائی سے ہمدردی نہیں کرتے۔ اس کو مدد نہیں دیتے۔ تو کسی اچھے اور تندرست سے ہمدردی کرنا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل ہمدردی اور امداد تو وہی ہے۔ جو کمزور کو دی جائے۔ ایک ایسا شخص جس کو کوئی احتیاج نہیں۔ اس کو اگر کہا جائے۔ کہ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو۔ تو بتلایئے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ہاں بڑی بات یہ ہے۔ جو محتاج ہو۔ اس کی امداد کی جائے۔ تو کمزور بھائی کیساتھ

تعلق رکھنا اور اس کو اپنے ساتھ رکھنا اصل بات ہے۔ زور اور طاقت والے تو خود بخود ساتھ ہو جاتے ہیں۔ پس تم اپنے نفسوں میں تبدیلی پیدا کرو۔ تاکہ فلاح پاؤ۔

احمدیت کے صرف نام میں کوئی ایسی تاثیر نہیں کہ پھر کسی اصلاح کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ جب محمدیت نے لوگوں کو نہیں بچایا۔ تو احمدیت کہاں بچا سکتی ہے۔ جب آقا کا نام لینے والے تباہی سے نہیں بچ سکے۔ تو غلام کا نام لینے والے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اصل چیز ایمان ہے۔ اور ایمان ہی کام آنے والا ہے جس میں خلوص۔ محبت اور تقویٰ ہو۔ اگر خدا تعالیٰ سے محبت ہو۔ تو اس کے بندوں سے محبت کئے بغیر انسان رہ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے۔ اس کی ہر ایک چیز پیاری لگتی ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے۔ جن کو حضرت صاحب سے محبت ہے۔ وہ ان جگہوں میں خاص طور پر جاتے ہیں جہاں حضرت صاحب کبھی بیٹھے۔ امرت سر میں ایک حجام تھے۔ انھوں نے حضرت صاحب کے بال اور ناخن رکھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ میں امرت سر گیا۔ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے پاس حضرت کے بال اور ناخن ہیں۔ مَیں سُنکر چپ رہا۔ اس پر انہوں نے غُصّہ سے لال لال آنکھیں نکال کر کہا۔ مَیں نے حضرت صاحب کے تبرکات کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے دکھاؤ۔ یہ وہ محبت تھی جو محبوب سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے ہوتی ہے تو جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔ وہ خدا کی مخلوق سے بھی محبت رکھتا ہے اور جس کے دل میں خدا کی محبت ہو۔ اس میں کسی کی دشمنی جا گزیں نہیں ہو سکتی۔

مَیں فخر کے طور پر نہیں۔ بلکہ آپ لوگوں کو تحریص دلانے کے لیے کہتا ہوں کہ ہمارے سلسلہ کا سب سے بڑا دشمن ثناء اللہ ہے۔ مجھے اس سے بھی محبت ہی ہے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں۔ مَیں کسی سے دشمنی کے لیے پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ محبت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ پس آپ لوگوں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے سے محبت اور پیار کا ہی سلوک کرو۔

اگر تم کسی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہو تو محبت سے ہی کھینچ سکو گے۔ ورنہ تم کیا اور تمہاری حقیقت کیا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر یہ لوگوں سے اچھا سلوک نہ کرے اور ان سے سختی کے ساتھ پیش آئے۔ تو لوگ اس سے بھاگ جائیں[1] پس انبیاء کے پاس بھی لوگ اسی لیے جمع ہوتے ہیں کہ وہ محبت سے انہیں کھینچتے ہیں۔ اور جتنا کسی میں پیار اور محبت کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی وہ لوگوں کو زیادہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پس جس میں تم کوئی غلطی کمزوری اور نقص دیکھو۔ اس کو چھوڑ نہ

---

[1] سورۃ اٰل عمران: ۱۶۰

دو۔ اس سے سختی کے ساتھ پیش نہ آؤ۔ بلکہ اس کی کمزوری اور نقص کو دُور کرنے کی کوشش کرو۔ کیا جب بچہ بیمار ہوتا ہے۔ تو ماں باپ اُسے باہر پھینک دیتے ہیں یا اس کی بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ اگر علاج کرتے ہیں تو تم کو بھی چاہیئے کہ اگر تمہارا کوئی بھائی بیمار ہو۔ یا اس میں کوئی نقص اور کمزوری ہو۔ تو یہ نہ کرو کہ اس کو اپنے میں سے باہر پھینک دو۔ بلکہ اس کی بیماری کو دور کرنے میں لگ جاؤ۔ اگر اس میں تم کامیاب ہو جاؤ تو یہ قابل ستائش اور لائق اُجرت ہو گی۔ لیکن اگر کسی کمزور بھائی کو اپنے سے جُدا کردو تو یہ تمہاری اپنی کمزوری اور نقص کو ظاہر کریگی آپس میں محبت اور پیار بڑھانے کی کوشش کرو۔ اور یہ نہ سمجھو۔ کہ تمہاری جماعت کسی نئے طریق پر قائم ہوئی ہے۔ اور احمدیت لوگوں کے اعتراضات اور شکوک کو دور کرنے کے لیے دلائل نہیں رکھتی۔ احمدیت کمزور نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے بہت مضبوط ہے۔ اور دلائل کے ساتھ سب اعتراضات اور شکوک کو دُور کرسکتی ہے۔ پس اگر کسی کے دل میں کوئی اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ تو اسے دلائل سے سمجھاؤ اور اس کی تسلی کراؤ۔ اگر تم اس طرح کرو گے۔ تو وہی بھائی جو آج تمہیں اپنا مخالف نظر آتا ہے۔ کل تمہارا مددگار ہو گا۔

خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو اس کی توفیق دے کہ دشمن کی زیادتی کے وقت تمہارا خدا تعالیٰ سے جو تعلق ہو۔ دشمن کی کمی کے وقت بھی ویسا ہی ہو۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہو اور تم لوگوں کی اصلاح کرنے اور ان کی کمزوریوں کو دُور کرنے میں اس مصلح کے نقش قدم پر چلو۔ جو اس زمانہ کی اصلاح کے لیے آیا۔ اور جس کے پیرو ہونے کا تم دعویٰ کرتے ہو۔"

(الفضل ۱۷ رمئی ۱۹۲۰ء)